اشاعتِ اوّل : مارچ ۱۹۹۱ء

طباعت : احمد برادرز پرنٹرز

کتابت : حبیب اللہ بٹ گیلانی

قیمت :

اشاعت: باہتمام رہبر پبلشرز۔ اردو بازار۔ کراچی۔ پاکستان

فون:- ۲۱۳۹۴۴-۲۱۳۹۲۰

انتساب

پیارے بیٹے

عدنان محمود

کے نام

سرمایۂ نقد و نظر

نورؔ ملک پاکستان آرمی سے سبکدوش ہونے کے بعد ابوظہبی چلے گئے۔ شاعری کا ذوق و شوق عسکری زندگی کے فرائض میں حائل نہ ہوسکا۔ دورانِ قیام ابوظہبی یہ چنگاری شعلہ بن گئی اور جذباتِ لطیف کی حرارت نے مزید ایک دیوان کا قالب اختیار کرلیا۔ نام بھی نیا اور پُر معنی و بلیغ ہے "کفِ ہجراں" اس سے قبل نورؔ صاحب کے دو شعری مجموعے "شہرِ غزل" (اُردو) اور "ریجھاں" (پنجابی) شائع ہو چکے ہیں جنہیں ملک میں اور بیرونِ ملک پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔

مجھے نورؔ ملک سے ملاقات کا شرف تو حاصل نہیں ہوا البتہ ان کا کلام جو کتابت کے مرحلے سے گزر چکا ہے کراچی کے ممتاز ناشرین "رہبر پبلشرز" کے توسّط سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس پر سرسری نظر ڈالنے سے غزلیات کے بہت سے اشعار دامنِ کش دل ہوئے نظموں نے بھی جن میں پابند اور آزاد نظمیں ہیں متاثر کیا۔ سرسری مطالعہ کے دوران مجھے یہ چند شعر بطورِ خاص پسند آئے۔

تجھ سے ملنا گو خوشی کی بات تھی وسوسوں کے سائے بھی اس دل میں تھے
بیگانے تیرے شہر کے بھی آشنا لگے اللہ کرے کہ ان کو نہ تیری ہوا لگے
کوئی غمگسار شاید، سرِ منزلِ وفا ہو چلو پھر صدا لگائیں، کریں فکرِ گلفشانی
شبِ فراق کے گیسو سنوارنے آئے تمہاری یاد کے سائے پکارنے آئے
یُوں چلی صَر صَر، صبا کے بھیس میں پھُول، پتّوں کے بھنور میں کھو گئے
کہتے رہے فسانۂ دِل اُن سے رات بھر جو حرف رہ گئے وہ دعاؤں میں ضم ہُوئے

غزل سرائی ہے کیا؛ چاہت ہی کا درد تو ہے جسے میر تقی میرؔ، غالبؔ، مومنؔ، فراقؔ اور فیضؔ نے اشعار کا پیراہن عطا کیا، "کفِ ہجراں" کے مصنّف بھی یہی فرض ادا کر کے ہمارے شعری سرمایہ میں اضافہ کر رہے ہیں۔

میری دُعا ہے کہ اُن کا یہ مجموعہ بھی ان کے پہلے دونوں مجموعوں کی طرح مقبول ہو تاکہ جناب نورؔ علم و ادب کی خدمت مزید انہماک کے ساتھ جاری رکھیں۔

پردے میں ہے اشعار کے نیرنگِ بہار
سمجھو اسے ٹوٹے ہوئے دل ہی کی پُکار
راغبؔ! "کفِ ہجراں" کو توجہ سے پڑھو
ہے نورؔ ملک نورؔ کا یہ بھی شہکار

۲۰، مارچ ۱۹۹۱ء راغبؔ مُرادآبادی --

نیلگوں آنکھیں

نیلگوں آنکھوں میں تھا گویا سمندر کا سکوت
اور اپنی آرزو بے تاب لہروں کی طرح
ہم کو اُمیدِ نظر اور بے نیازی اس طرف
دھیما دھیما سا تبسّم پچھلے پہروں کی طرح

دوستی کا ایک پہلو سارے رشتوں پر محیط
اِک تعلق درد کا تھا رشتۂ جاں سے ہوا
دل کی ہر دھڑکن میں رقصاں نیلگوں آنکھوں کا عکس
اُس کی قربت میں سُبک تر ہو گئی بادِ صبا

اب سے پہلے تو کبھی اُن نیلگوں آنکھوں کا عکس
اس قدر اُجلا نہ تھا یوں دل میں کھُب جاتا نہ تھا
اُن سے کچھ کہنے کی حسرت تھی نہ تھا اِس کا شعُور
اب سے پہلے تو کبھی گویا اُنھیں چاہا نہ تھا

غزل

حسرتوں کے حصار میں گذری
تنگنائے فشار میں گذری

چاہتوں کے میلے ملے لیکن
رسمِ قول و قرار میں گذری

جیسے گذری سحر گذار آئے
تلخئ روزگار میں گزری

اِک تبسّم کی تاب کو ترسے
جستجوئے بہار میں گزری

پھر بھی ہم سے خفا جنون اپنا
بخیۂ تار تار میں گزری

زندگانی بھی ایک نعمت تھی
نعمتوں کے شمار میں گزری

نورؔ عمرِ شبابِ دزدیدہ
اجنبی کے دیار میں گزری

غزل

دل کے انگاروں پہ شبنم کیا کرے
زخم رِستے ہوں تو مرہم کیا کرے

اتنی ارزاں بھی نہیں سوغاتِ درد
اک تحیّر.... صورتِ غم کیا کرے

بند حصارِ حجلۂ شہناز ہے
اب صبا خوشبو تکلّم کیا کرے

سوچیئے کچھ تو علاجِ دردِ دل
پھیکے ہونٹوں کا تبسّم کیا کرے

جب خزاں ہوتی نہ ہو صرف بہار
باغباں پھر جہدِ پیہم کیا کرے

دھند میں لپٹی ہوئی یادیں کئی
دِل دُکھے تو رنگِ موسم کیا کرے

نورؔ وہ بیگانہ رسمِ وفا!
احترامِ چشمِ پُرنم کیا کرے

غزل

دیوارِ دل پہ ہے تری صُورت نگارِ شب
عکسِ رُخِ خیال ہے یا عکسِ رُخ کی چھب

تُو نے کہاں طلب کیے ورنہ یہ جان و دِل
تجُھ پر نثار کرتے بصد منّت و ادب

بس ایک غم کہ تیری رفاقت نہ رہ سکی
دیوانہ کر گیا ہے جہاں میں ہمیں عجب

یہ اور بات ان کو ہماری خبر نہ ہو
ورنہ ہمارے حال پہ ہنستے نہ بے سبب

وہ کج ادا ملے ہیں ہمیں نورؔ کہ جنھیں
پاسِ وفا تو کیا ہو ہراسِ جفا غضب

غزل

رُوٹھا ہوا نہ تھا مگر ہنس کر ملا نہ تھا
کیسا عجیب شخص تھا ایسا لگا نہ تھا

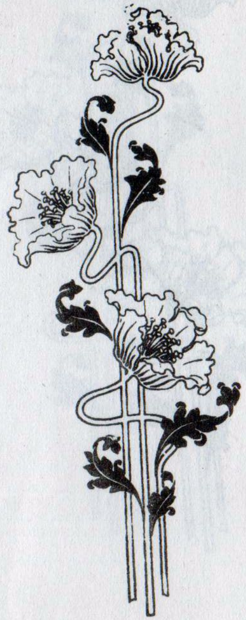
ایسے بھی حرف تھے جو لبوں تک نہ آ سکے
عرضِ نیازِ عشق کا بھی حوصلہ نہ تھا

وہ آبگینے تھے کہ صدف سیپیوں کے بیچ
مژگانِ چشمِ ناز کا پردہ اُٹھا نہ تھا

زاہد بھی متّقی بھی بہت تھا فقیہِ شہر
یوں تو خدا شناس تھا خود آشنا نہ تھا

سب اختیار جس کے حوالے کیے تھے نورؔ
اُس سے تو حالِ دل کبھی ہم نے کہا نہ تھا

غزل



حرفِ جنوں میں سوزشِ غم کی کمی سی تھی
تقریب بھی فسانۂ دل کی بجھی سی تھی

شفّاف آئینے کی طرح پُتلیوں میں آنکھ
ہم کو یہی گُمان کہ اُس میں نمی سی تھی

گُم ہوش تھے نہ فکر کو ضبطِ شکستگی
بس اِک سکوتِ درد کی صُورت بنی سی تھی

یوں سر بُریدہ زرد شجر تھے بہار کے
پتّوں پہ گردِ دوپہر گویا جمی سی تھی

ہم میں کہاں تھی جُرأتِ اظہارِ آرزو
کیوں وہ نگاہِ ناز نہ جانے جُھکی سی تھی

غزل



نادیدہ ساعتوں کے وسیلے جیئے تو ہیں
تیری عنایتوں کے سہارے لیے تو ہیں

اِک اور رت جگا ہے مقدّر میں بے اماں
ہم سے کسی نے وعدہ و پیماں کیے تو ہیں

دھڑکا لگا ہوا ہے کہ ہوتی ہے کب طلب
اُس دلنواز شہر کو نامے دیئے تو ہیں

ہر گاہ ایک ایک تھا لمحہ ہمیں گراں
آنکھوں نے بے طلب سہی آنسو پیئے تو ہیں

الزام آگہی سے اب بچنا محال ہے
ہم نے جنوں میں چاک گریباں سیئے تو ہیں

غزل



کون جانے کون سی مشکل میں تھے
جو حصارِ بازوئے قاتل میں تھے

حسرتوں کے آئینے ٹوٹے ہوئے
دم کشیدہ ہم تری محفل میں تھے

نرگسی آنکھوں میں رقصاں تھی شفق
قمقمے روشن شبِ کاجل میں تھے

تجھ سے ملنا گو خوشی کی بات تھی
وسوسوں کے سائے بھی اس دل میں تھے

ہم بزعمِ خود بھلا بیٹھے اُنھیں
وہ مگر ہر سعئ لاحاصل میں تھے

غزل



سب حسرتیں وصالِ تمنّا کی ہار دیں
ہم نے شبِ فراق کی زلفیں سنوار دیں

تیرے بغیر بھی جیئے اِک تمکنت کے ساتھ
اُجڑی ہوئی سی محفلیں اکثر نکھار دیں

ساری بلائیں تیری گلے سے لگا چکے
اِک کربِ جان گداز میں راتیں گزار دیں

یوں مُضمحل ہوئے کہ سرِ راہ کھو گئے
منزل کی آرزوئیں بھی راہوں پہ وار دیں

اِک عمر ساتھ ساتھ چلے اجنبی سے ہم
جذبوں کی ساری چاہتیں دل سے اُتار دیں

غزل



گو بادِ صبا تیرے بھی احسان لیے ہیں
پھولوں نے مگر جام تو شبنم کے پیئے ہیں

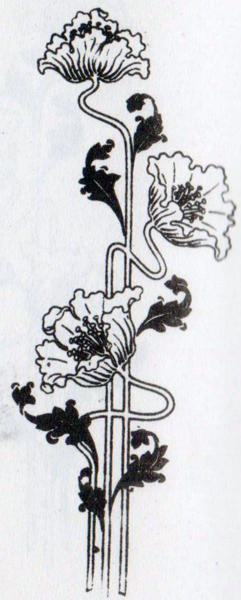
اس چاہتِ بے نام کو اِک عُمر سنبھالا
تنہا پسِ دیوارِ چمن رو بھی لیے ہیں

رسوائے محبّت ہیں تو نازاں ہیں اسی پر
کب ہم نے کہاں چاک گریباں سیئے ہیں

ملتی رہیں ناکردہ گناہوں کی سزائیں
یوں گردشِ ایّام کی سختی میں جیئے ہیں

ہم مُہر بلب شومیٔ تقدیر پہ شاکر
آدابِ محبّت کو نئے رنگ دیئے ہیں

غزل



بیگانے تیرے شہر کے بھی آشنا لگے
اللہ کرے کہ اُن کو نہ تیری ہوا لگے

کیا رنگ و نُور سے ہے مزیّن ترا وجود
پھولوں کا پیرھن ہمیں تیری قبا لگے

شاید نظر فروز ہے حُسنِ نظر فریب
دل تا جگر سرابِ تمنّا نما لگے

اپنا سمجھ کے کھا گئے ہیں دوسروں کا مال
یوں دیکھنے میں شیخ بڑے پارسا لگے

تنہا ہیں اور بیکراں صحرا کی وسعتیں
یادوں کا کارواں بھی بھٹکتا ہوا لگے

اپنے ہی دُکھ سمیٹنا مشکل تھا اور ہمیں
ہر شخص سرد مہر سا بیزار سا لگے

جب سے ہوا ہے نورؔ شعورِ شکستگی
اُس خوش ادا کا لُطف بھی اِک واہمہ لگے

غزل



بے نام تہمتوں کے سزاوار ہم نہ تھے
ایسی نوازشوں کے طلبگار ہم نہ تھے

اتنا کرم کرو کہ ہمارا بھرم رہے
بے شک کہو کہ طالبِ دیدار ہم نہ تھے

گُل کی طرح شگفتہ کلی کی طرح سجل
گُلشن میں تم ہی تم تھے طرحدار ہم نہ تھے

ہم سیر چشم اتنے ندیدہ نہ تھے کبھی
چشم و لب و دہن کے پرستار ہم نہ تھے

دل بھی دُکھا تو نورؔ کوئی آہ تک نہ کی
جان سے گزر گئے کہ وضع دار ہم نہ تھے

دُعائیہ غزل

ہجومِ غم کا وُرُود ٹوٹے
یہ سلسلۂ وفود ٹوٹے

بہارِ حسنِ چمن میں آئے
خزاں کا زورِ کبُود ٹوٹے

کہیں سے آئے صدائے دلبر
یہ زخمۂ بے سرُود ٹوٹے

شعورِ برجستگی کو پا لیں!
طلسمِ بند و قیود ٹوٹے

کوئی خلوصِ نظر سے دیکھے
نمائشوں کی نمُود ٹوٹے

عطا ہو ایسی نگاہِ خود بیں
خیالِ سامان وسُود ٹوٹے

ہمیں تو ہیں نور رنگ بھرنے
یہ دل کہ سارا وجود ٹوٹے

دعائیہ غزل

فضائے صبحِ بہار نکھرے
تصوّرِ حُسنِ یار نکھرے

سحر ترے رُخ سے بھی حسیں ہو
صباحتوں کا نکھار نکھرے

عجیب ماحولِ بے بسی ہے
صبا چلے نہ خمُار نکھرے

چھٹیں یہ تاریک تر فضائیں
چمن کی ہر راہِ گزار نکھرے

بیاں کا اعجاز برملا ہو
صداؤں کا اعتبار نکھرے

ہو جلوہ گاہِ وصال پیدا
شبِ غم سوگوار نکھرے

دُعا کے لفظوں سے نور شاید
صداقتوں کا وقار نکھرے

غزل

لغزشِ دل کی یہ رُسوائی قبول
اُن کی چاہت بھی تھی اِک لمحے کی بھول

اہتمامِ رنگ و بُو بے رنگ و بُو
دُھوپ سے جُھلسی ہوئی کلیوں کے پُھول

دِل تھا گلگشتِ صنوبر قامتاں
سختیٔ ہجراں نے کر ڈالا ملُول

کم نگاہی سے ہوا نا معتبر
اعتبارِ حُسنِ جاناں کا نزُول

گُم صداؤں میں کہیں آوازِ حق
عِشق بے ترتیب عاشق بے اصُول

آدمیّت سے ہراساں آدمی
بندگی بندوں کی بھی اس کو قبول

دھو سکے شاید سرِ اشکِ چشمِ تر
نور چہروں پر جمی سفّاک دُھول

غزل

دل و جاں رہنِ حسرت شبِ ہجر کی گرانی
ہمیں تاب دے گئی ہے تیرے غم کی پاسبانی

اسی صحنِ بے صدا کے اُسی قریۂ وفا کے
کبھی وا ہوتے دریچے کبھی آتی رُت سہانی

چلے راستے بدل کر سبھی ہم سفر ہمارے
یہ شعورِ خود نگاہی یہ شعارِ بدگمانی

سبھی رنجشیں بھلا کر ہمیں پھر گلے لگا کر
وہ کہو جو سُن نہ پائے کبھی آپ کی زبانی

شبِ درد کے جلو میں چلے قافلے جنوں کے
باشکوہِ جاں سپاری بانوائے رجز خوانی

کوئی غمگسار شاید سرِ منزلِ وفا ہو
چلو پھر صدا لگائیں کریں فکرِ گلفشانی

یوں ہی نورِ بے بسی میں کسی یاد کے وسیلے
بڑے مضطرب سے گزرے ماہ و سال زندگانی

غیر سیاسی غزل

تیرگی پھیلی ہوئی ہے چار سُو
اب بہاریں بھی ہوئیں بے رنگ و بُو

بند گلیوں میں نہاں خاموشیاں
نطق بے آواز سُرمہ در گلو

بے رُخی تحدیثِ رسمِ دلبری
عاشقانِ زار ژولیدہ نظر بے آبرو

سَرو قدوں کے جُھکے شانے مگر
بانکپن پاکیزگی سے سُرخرو

اِک تماشہ بن گئی ہے سَروری
فرقۂ دینِ سیاست کی نمُو

بے طلب ہیں طالب حرص و ہوا
یہ ریاء کاری یہ شورِ ہاؤ ہُو

عقل کے پیچاک سے خوش بُوالہوس
ہیں خجل اہلِ سینوں کے رُوبرُو

نورؔ شاطر ہیں بہت خوبانِ وقت
مکر کی بازی سراپا تار و پوُ

غزل

اِسے کہنا اُسے سُننا بگڑنا
تماشہ بن گیا تجھ سے بچھڑنا
سفر آسودگی کا اِک وسیلہ
زمانے کی روش میں کُود پڑنا

ڈراتے ہیں بہت جھکّڑ ہوا کے
جڑوں سے اُونچے پیڑوں کا اُکھڑنا
طلاطم خیز موجیں کہہ رہی ہیں
کہ ساحِل کے سہارے مت اکڑنا

یہی دیوانگی کی داستانیں
غرورِ عشق کی سطوت پہ اڑنا
وہی مردانِ حق تسلیم ہوں گے
جنہیں منظور ہو باطل سے لڑنا

ہمیں تو نورؔ یوں بھی ہے گوارہ
وطن کے واسطے سُولی پہ چڑھنا

غزل

شبِ فراق کے گیسو سنوارنے آئے
تمھاری یاد کے سائے پکارنے آئے

تری گلی سے گزرنا تو اِک بہانہ تھا
کہ تجھ پہ چاند ستاروں کو وارنے آئے

عجیب رسم کہ آزارِ دستِ گلچیں سے
شہید غنچے چمن کو نکھارنے آئے

کوئی سہار نہیں بے قرار اشکوں کی
تری نگاہوں میں موتی اُتارنے آئے

پلک جھپکتے وہ منظر گزر گیا جیسے
غریبِ شہر کوئی شب گزارنے آئے

بجا کہ ہم نے تیرے نام کی قسم کھائی
بجا کہ شیشے میں تجھ کو اُتارنے آئے

یہ اعتراف بھی آخر ہمیں کو کرنا تھا
کہ نورؔ نقدِ دل و جاں کو ہارنے آئے

غزل

حلقۂ دیوار و دَر میں کھو گئے
خستہ پا تھے ہم سفر میں کھو گئے

اُن سے کہہ لیتے بھلا کب ہوش تھا
ہم تو بس عرضِ ہُنر میں کھو گئے

یُوں چلی صرصر صبا کے بھیس میں
پھولوں پتوں کے بھنور میں کھو گئے

اِک سکوتِ درد کی سی کیفیت
سارے غم اُس چشمِ تر میں کھو گئے

یوں بچھایا شیخ نے فتوؤں کا جال
سب طلسمِ خیر و شر میں کھو گئے

درد کے رشتے ہوئے نا معتبر
اہلِ دل نقد و نظر میں کھو گئے

نورؔ رسم و راہِ دل داری گئی
سوزِ آہِ پُر اثر میں کھو گئے

غزل



درد آہوں میں کھو گیا ہوتا
کاش ان سے نہ کچھ کہا ہوتا
دشتِ تنہائی میں بھٹکتے ہیں
اُن کی چاہت میں اور کیا ہوتا
یہ تعلق بھی اِک غنیمت ہے
ٹوٹ جاتا تو کیا رہا ہوتا
منتشر درد کی صلیبوں پر
موسمِ گُل کا ماجرا ہوتا
دل تو پہلے ہی غم گزیدہ تھا
تیرے جانے سے کیا خفا ہوتا
عاشقی میں یہ بانکپن اپنا
کج جبینی کا ولولہ ہوتا!
نور ہوتی کہاں یہ دربدری
مہرباں گر وہ دل رُبا ہوتا

کفِ ہجراں

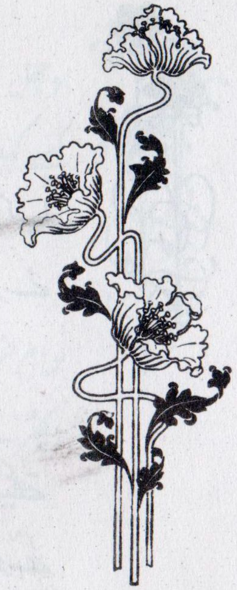


میں شب و روز کی محنت سے فردہ ہو کر
سوچتا ہوں
کہ یہ تقویمِ حیات
منتج ہو نہ کہیں بادیہ پیمائی پر
درد ہر آن بہر گام سنبھالا لیکن
ڈگمگاتے رہے بے ربط قدم
کفِ ہجراں سے ہراس
وصلِ دیرُوز کی اک آس لیے
بے نشاں سرد اندھیروں میں رواں
کارواں شوق کے بے وہم و گماں
لے کے خیالات کے انبار میں سوچتا ہوں

سوچتا ہوں
کہ مری فکر کے تابندہ حروف
بربطِ دل پہ کبھی نغموں کی صورت اُتریں
جن کی گرمی سے ہو تحلیل
اندھیروں کا وجُود

چاہتیں وقت کے بے نام حصاروں میں اسیر
ٹمٹماتی ہوئی شمعوں کی طرح
سختئ کفِ ہجراں سے ہراس
پھر بھی اِک آس لیے
سوچتا ہوں
اس شبستاں کی سیاہی کے نقوش
تیرے دیدار کی تابانی سے مِٹ جائیں گے
نکہتِ بادِ صبا پھر تیرا پیغام لیے
مژدۂ دید کا اِکرام لیے
در و دیوار سے اُترے گی بصد جلوۂ ناز
اور شب و روز کی اس محنتِ شاقہ کا ثمر
منتج ہو گا جمالِ رخِ زیبائی پر

غزل



اِک تمھاری یاد کو سینے سے لپٹائے ہوئے
ہم پھرے دشتِ جنوں میں غم سے گھبرائے ہوئے
خستگی بڑھتی گئی عمرِ رواں کے ساتھ ساتھ
شیشۂ دل میں سجائے پھول کملائے ہوئے
قمقمے روشن تھے لیکن سب گلی کوچے اُجاڑ
لوگ دبکے تھے گھروں میں خود سے شرمائے ہوئے
وقت نے فرقت زدوں کا ساتھ کیا دینا کہ وہ
اِک مسلسل کرب میں رہتے ہیں اکتائے ہوئے
نور وہ آنکھیں تو پیغام صلا دیتی رہیں
ہم تکلّف میں رہے شانوں کو لٹکائے ہوئے

غزل

ہم پر نبردِ عشق میں ایسے کرم ہوئے
رانجھے فقیر کی طرح تصویرِ غم ہوئے

تاخیر تھی نوازشِ پیرِ مُغاں میں کیا
رُسوا بہت ہی کوئے ملامت میں ہم ہوئے

آساں نہیں تھی منزلِ آشوبِ آگہی
ہم سے کُشادہ ظرف بھی صیدِ الم ہوئے

کب تک فغانِ درد کی تاثیر دیکھتے
سب راہ روانِ شوق سُبک تر قدم ہوئے

پیشِ نظر تھی ہیر کی سوہنی کی داستاں
پیشانیٔ خیال پہ قصّے رقم ہوئے

کہتے رہے فسانۂ دِل اُن سے رات بھر
جو حرف رہ گئے وہ دعاؤں میں ضم ہوئے

ایسے جیئے ہیں نورؔ اِس آئینہ خانے میں
کانٹے دُکھوں کے پھُول کی صُورت بہم ہوئے

غزل

اوجھل ہوئے جو آنکھ سے تو دل نے غم کیا
کیسے کہیں کہ آپ نے جور و ستم کیا

رشکِ سمن براں ترے چہرے کی دھوپ نے
تابندگیٔ فکر و نظر پر کرم کیا

دامِ فسردگی بھی نہاں تھا شبِ وصال
بچھڑے تو تیری یاد نے آنکھوں کو نم کیا

اب تک بچھی ہوئی ہے بساطِ حریمِ دِل
دستِ حِنا نے درد کا درماں بہم کیا

جِس کے بغیر جی کے ملی تہمتِ ہوَس
اُس جانِ دِلنواز کو سانسوں میں ضم کیا

مشتِ غبار بن گئی جب جانِ بے اماں
پڑھنا تمھارے نام جو ہم نے رقم کیا

کم ظرف لوگ تھے جنہیں اچھا نہیں لگا
چاہت کا درد نورؔ سپُردِ قلم کیا

غزل

دُکھ نئے تھے مگر پُرانے لگے
دل سنبھالا مگر زمانے لگے

جن پہ رکھّے تھے وقت نے پھاہے
پھر وہی گھاؤ مُسکرانے لگے!

اِک تحیّر جنوں کی صُورت
اَن کہی بات کے فسانے لگے

اُن کٹھن راتوں پہ کیا چلتے
ہر قدم پاؤں ڈگمگانے لگے

مزرعِ دل پہ یُوں گریں بُوندیں
درد سوئے تھے سر اُٹھانے لگے

بے زبانی زبان بنتی گئی
شکوے آنکھوں سے لب پہ آنے لگے

نورَ اندھی ہواؤں کے جھکّڑ
پتھروں پہ ہمیں گرانے لگے

سرحدِ ادراکِ تمنّا

سرحدِ ادراکِ تمنّا کا طِلسم
وسعتِ درد کی پہنائی میں
اک جنوں خیز سی کیفیتِ سیمابی لیے
سِلسِلہ وار دلِ زار کو زنجیر کرے
اور اسی سرحدِ ادراکِ تمنّا کا طِلسم
دامِ افسردگیٔ ہجر میں لرزاں جیسے
تارِ خیالاتِ تصوّر کے نہاں خانوں میں
دکھ بھری راتوں کا بے مہر ہجوم
بن گیا صُورتِ تقویمِ حیات
تجھ سے کہنے کو بہت کچھ ہے مرے پاس مگر
تو نے تکریمِ محبّت کو مروت جانا
فلسفہ عشق کی تقدیس کا کچھ ہے تو یہی
جلوۂ ناز ہے بس اک تری زیبائی کا
دِل کی تسکین کا سامان یہی ہو جیسے
اتنا بے صرفہ نہیں حسنِ تکلّم تیرا
اور تبسّم کی درخشاں کرنیں

جن کی ضَو سے ہیں در و بام فروزاں میرے
فرشِ مرمر پہ ترے قامتِ زیبا سے چمک
بے کراں صحن کی تابانی ہے

میں نے مانا کہ شبِ ہجر کے صدمے ہیں طویل
اور کبھی نامہ ترا آئے تو یوں لگتا ہے
جیسے ادراکِ تمنّا کا طلسم

میرے افکارِ پریشاں کا تماشائی ہو
جا بجا رقص میں مہجوری و تنہائی کا عکس
جانے کب ہاتھ لگے صُبحِ وصَال
ختم ہو سرحدِ اِدراک کا جال
سرحدِ اِدراکِ تمنّا سے پرے
جھلملاتی ہیں اُبلتی ہوئی جھیلوں کی طرح
تیری شفّاف منور آنکھیں

میرا معیارِ تمنّا تیری آنکھوں کا جمال
سرحدِ اِدراکِ تمنّا کا طِلسم

غزل



ہم کو ترے خیال سے تسکینِ دل ملی
شبنم گری تو پھول کی پتّی میں جاں پڑی
ایسے بھی لوگ تھے کہ جنھیں ڈھونڈتے رہے
ایسے کہاں ملے کہ نبھی جن سے دوستی
مت پوچھ کیا ہوا ترے تشنہ لبوں کا حال
خونِ کشیدہ دل بنی دل کی شکستگی
ملتی کہاں جراحتِ زخمِ وفا کی دار
وہ بھی تھے محوِ لُطفِ تماشائے بے بسی
اِک آس لے کے کوئے ملامت میں آئے ہم
صرفِ نظر کرے نہ اُن آنکھوں کی دلبری
کیا گرد و پیش دیکھتے تیرے وفا سرشت
سُود و زیاں کی سوچ ہی وہم و گماں لگی
شاید کسی نگاہ کا فیضان ہے کہ نور
یادیں ہیں ان کی جس طرح پھولوں کی تازگی

غزل



پھولوں سے کہی ہے کبھی شبنم سے کہی ہے
کیا کیا نہ دلِ زار ترے ساتھ بنی ہے
ہم ظرفِ تمنّا لے کے پھرے کوچۂ زر میں
اِک حیرتِ نادیدہ تہِ دست تہی ہے
نغموں سے سنوارا ہے صداؤں کے نگر کو
اب دستِ صبا میں بھی گلابوں کی نمی ہے
بکھرے ہیں ہر اک سمتِ صنادیدِ تمنّا
ہر قریۂ پُر خار میں پھُولوں کی گلی ہے
تنہائی میں تاروں بھری راتوں سے تکلّم
بے خواب نگاہوں میں سحر ٹھہر گئی ہے
گو دِل میں اُترتی رہیں چہروں کی شبیہیں
آنکھوں میں مگر حسرتِ دیدار رہی ہے
آئی ہے شبِ درد نئے رُوپ بدل کر
اب وحشتِ دل نورؔ رگِ جاں میں ڈھلی ہے

غزل



فرصتِ درد کی گھڑی آئی
ساعتِ وصل کیا کڑی آئی
اِعتبارِ وفا بھی کیا کرتے
تری آنکھوں میں مے چڑھی آئی
زندگی بھی گناہ گاروں کی
حسرت و یاس میں گڑی آئی
یُوں تو جینے کو جی لیے ہم بھی
دِن گزارا تو شب بڑی آئی
پھُول کھلتے رہے بہاروں میں
اپنی قسمت میں پت جھڑی آئی
دوپہر کی تپتی ہوا کی طرح
یادِ یاراں سڑی سڑی آئی
ہم بھی منزل کو نورؔ پا لیں گے
راستے میں اگر پڑی آئی

غزل



کیا صورت اظہار ہو غم کی
سامنے جب دیوار ہو غم کی

پت جھڑ میں پھولوں کی باتیں
دلبر سے تکرار ہو غم کی

کیا مشکل ہے ہنس کر جلنا
کیوں اتنی بوچھار ہو غم کی

درد تحیر میں ڈوبا ہے
گویا اُلجھی تار ہو غم کی

آپ شگفتہ چہرے والے
کرتے کیوں گفتار ہو غم کی

جان کے ہم نے جان گنوائی
یہ بھی شاید ہار ہو غم کی

وہ آنکھیں ہوں نورؔ مقابل
پھر بھی نغمہ بار ہو غم کی

غزل



ہم کوئے ملامت میں نئے روپ سجا کر
پھرتے رہے ناموس تمنّا کو بچا کر

تجھ پر نہ پڑیں دُکھ بھری پرچھائیں دعا ہے
ہر غم سے گزر جاؤں نگاہوں کو چُرا کر

خوشبوئے دہن اور بھی گفتار سے مہکے
ہر لفظ ہو شیرینیٔ اُلفت کا صدا گر

کیا کیا نہ ترے واسطے چاہا دل وجاں سے
کیا کیا نہ تجھے سونپا نگاہوں میں بٹھا کر

بے وقت سہی راگ الاپے تو وفا کے
ناکام سہی غم ترے پالے تو لگا کر

شمشاد و صنوبر سہی وہ قامتِ زیبا
دیکھا ہی نہیں اُس کو کبھی آنکھ اُٹھا کر

نکلی جو کبھی نورؔ مری رُوح بدن سے
ہر سمت پکارے گی تجھے پاس نہ پا کر

غزل

عجب دیوانگی کی ہیں فضائیں
گلی کوچوں میں دیں گے اب صدائیں

چراغوں کی لوؤں پر ہاتھ رکھ لو
بہت ہی تیز ہیں اندھی ہوائیں

گلوں کو کیا خبر کہ بارشوں میں
اتاری جائیں گی اُن کی قبائیں

رواں ہیں بے خبر اندھے سفر پر
کہاں لے جائیں گی بے نام راہیں

ہمیں ایسی نگاہوں سے نہ دیکھو
ہمیں معلوم ہیں ساری ادائیں

تری چاہت کی کس سے بات کرتے
کہاں تک ڈھونڈتے پھرتے پناہیں

وہاں بھی نور کیا رکھا ہے اپنا
درِ جاناں پہ جائیں یا نہ جائیں

غزل

کیف و مستی سرُود بر سردار
یہی ازل سے ہے اہلِ دل کا شعار

پھُول کھلنے پہ جب بھی آتے ہیں
آہ بنتی ہے بُلبُلوں کی پُکار

کب سُنی جائیں گی مناجاتیں
کب مِلے گا دِل و نظر کو قرار

ہم کہاں زخمِ دِل ہرا کرتے
ہم سے پہلے اُجڑ گئی تھی بہار

اُن کی چاہت میں ایک مدّت سے
دل زدوں میں بھی ہو سکا نہ شمار

باغبانوں کے دیکھ کر اطوار
ایک گُل میں سمٹ گئی ہے بہار

چاند چہروں کی روشنی کے طفیل
ڈھل گیا نور حسرتوں کا غبُار

(طرح مصرع پر کہی گئی)

غزل

جب سے چل نکلا وفا میں سلسلہ تعزیر کا
دِل زدوں پر چھا گیا اِک سائباں تقصیر کا

چاہتیں رسوائیوں کے روپ میں ڈھلتی گئیں
کیا صِلہ آخر مِلا اس جذبۂ دِل گیر کا

درد کی ہر کیفیّت سے آشنا ہونا پڑا
ہے فراقِ جانِ سوزاں زہرِ غم کے تیر کا

موسمِ گل آئے تو اہلِ جنوں کو روکنا
ٹوٹ جائے گا ہر اِک حلقہ کڑی زنجیر کا

گُل بداماں آپ تصویرِ جنوں ہم اور دِل
بے نیازِ آرزو مارا ہوا تقدیر کا

کیسے کیسے زخم تھے جو مُندمل ہوتے گئے
وقت کا مرہم مسیحا اِس دِلِ نخچیر کا

کوئی خوباں سے کہے بے سُود ہے ناز و ادا
"کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا"

(غالب کے طرح مصرع پر کہی گئی)

غزل

سبھی نامے تمھارے نام ہوں گے
صباء کے نت نئے پیغام ہوں گے

شفق پھُوٹے گی گہرے بادلوں سے
زمیں کے سائے بھی گلفام ہوں گے

سحر پیغام لائے گی صلا کا
سبھی سیراب تشنہ کام ہوں گے

بدل جائے گی تقدیسِ محبّت
وفاداروں پہ بھی اکرام ہوں گے

بصد اندازِ محبوبی ملیں گے
نگاہوں میں کھنکتے جام ہوں گے

الٰہی خیر ہو اہلِ جنوں کی
نواؤں میں بہت کہرام ہوں گے

فروزاں نور ہو گی کب شبِ غم
چراغاں حسرتوں کے بام ہوں گے

غزل

دِل دکھا ہے کہ رہا حال پریشاں اپنا
ہم نے ہر حال میں جانا تجھے جاناں اپنا

تجھ سے بچھڑے ہیں تو ہم کون سے آسودہ رہے
ہاں مگر کر نہ سکے چاک گریباں اپنا

ایک ہی درد ہے منسوبِ رگِ جاں سب کا
ایک ہی دُکھ کہ ہے تاریک شبستاں اپنا

کیسی سوچیں ہیں کہ اب اہلِ خرد کہتے ہیں
صحن اپنا ہے نہیں صحنِ گلستاں اپنا

پھر خزاں دیدہ بہاروں کا سہارا لے کر
درد بن جائے گا خود حیلۂ درماں اپنا

تم چمن زاد ہو پھولوں کو سجائے رکھنا
ہم سنبھالیں گے یہ صحرا یہ بیاباں اپنا

زندگی ہجر کے بے نام جزیروں میں کٹی
ہم کہاں نور کہاں حلقۂ یاراں اپنا

غزل

ریاکاری وطیرہ گفتگو کا
کسے یارا ہے حرفِ روبرو کا

ہوس نے کر دیا سب کو بلانوش
رہا کوئی نہ پیمانہ سبُو کا

عجب چاکِ گریباں ہم ہوئے ہیں
وسیلہ ہی نہیں کوئی رفو کا

چمن بندی بھی گل چینی کے مصداق
صبا چارہ کرے بھی کیا نمُو کا

انھیں بھی پارسائی کا ہے دعویٰ
جنھیں چسکا ہے انساں کے لہو کا

کبھی نکھرے گلوں کی بے زبانی
کرشمہ ہو کسی آئینہ رُو کا

تمھیں وہ نور دیوانہ کہیں گے
نہ کھاؤ غم شکستِ آرزو کا

غزل

ترے نام لگ گئی ہیں شبِ درد کی صدائیں
یہ گمان دوستی ہے کہ یقیں کی بارگائیں

یوں گزر رہی ہے جاناں کہ تحیرِ جنوں میں
کبھی تجھ کو یاد کر لیں کبھی خود کو بھول جائیں

سرِ راہ گزار شاید کہیں وقفۂ سفر تھا
تجھے دیکھتی رہی ہیں تجھے ڈھونڈتی نگاہیں

کیا عجب اسی طلب میں اسی کاوشِ فغاں میں
اُسے قریہ قریہ ڈھونڈیں جسے بال بال چاہیں

کسی محرمِ وفا سے کریں شکوۂ تغافل
چلو عرضِ غم گزاریں چلو اور دل دُکھائیں

وہی معتبر بنے ہیں تیرے شہرِ بے اماں میں
جنھیں ہم فقیر سائیں دیتے رہے دعائیں

کیا عجب کہ راستے میں وہ ملیں اُدھر سے آتے
وہ جدھر سے نور ٹھنڈی آنے لگیں ہوائیں

غزل

کیسے کہیں کہ دل میں تمہاری لگن نہ تھی
یہ اور بات ہم پہ شبِ غم کٹھن نہ تھی

ہجراں نصیب تھے مگر تیرے کشادہ ظرف
اُٹھ کر چلے گئے کہ تیری انجمن نہ تھی

اب آزما کے دیکھ لو ہر اِعتبار سے
تمہیدِ عرضِ حال برائے سخن نہ تھی

صحرا کی دھوپ گردِ سفرِ غم کی دوپہر
مشکل بہت سفر تھا و لیکن تھکن نہ تھی

اُن کی شکائتیں بھی بڑی دِلرُبا تھیں نور
عکسِ جبینِ ناز پر کوئی شِکن نہ تھی

غزل

چاند تاروں کی ہمسفر ٹھہری
زندگی شمعِ سحر ٹھہری

برگِ گُل پر رُکی ہوئی شبنم
چشمِ نرگس میں جلوہ گر ٹھہری

فکر نے جب کیا جنوں آغاز
تیری چاہت ہی معتبر ٹھہری

تیرا ملنا بھی اتفّاق ہوا
بات اَبرِ بہار پر ٹھہری

آنکھ تیری ہلال کی صورت
ہم پہ ٹھہری تو مختصر ٹھہری

پھول کھِلنے لگے تو بادِ صبا
غیر ہو کر بھی میرے گھر ٹھہری

حال پوچھا کبھی نہ خود آئے
نورؔ اُن کی ادا اگر ٹھہری

غزل

اُمیدِ صبحِ وصل میں آنکھیں علیل ہیں
منظر شبِ فراق کے کتنے طویل ہیں

کم کم فرازِ درد میں شبنم زتوں کا عکس
نامہرباں بہار کے رنگیں نخیل ہیں

عُریاں نگارِ حرف سے بے صوت دھڑکنیں
تنہائیوں سے فکر کے سوتے قتیل ہیں

شامِ شفق شہادتِ حسنِ ازل تمام
نجم و شجر صداقتِ حق کی دلیل ہیں

صرفِ بہارِ حُسن ہیں شاداب چہرہ لوگ
شمشاد قامتوں سے گلستاں جمیل ہیں

اہلِ ہوس ہیں یا کہو از راہِ منصفی
مسند نشینِ وقت سراپا اصیل ہیں

گمنامیوں کا شرف اُٹھایا تمام عمر
ہم لوگ نورؔ تذکرۂ بر سبیل ہیں

غزل



(نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر)

دلوں میں درد کی صورت مقام پیدا کر
سحر بدوش ستاروں میں نام پیدا کر
سنبھل سنبھل کے نہ رکھ صحنِ گلستاں میں قدم
ورائے خوف صدائے خرام پیدا کر
بجا کہ حدِّ نظر تک مہیب سائے ہیں
نظر میں جلوۂ ماہِ تمام پیدا کر
بس اک نگاہِ کرم اِک کرن تبسّم کی
کوئی سبیلِ سلام و پیام پیدا کر

اسیرِ مائلِ راہِ فرار ہیں کب سے
کچھ اور پیچ و خمِ زلفِ دام پیدا کر
لُٹے ہوئے ہیں فسردہ ہیں دربدر ہیں ہم
دُکھی دِلوں کے لیے احترام پیدا کر
یہ لوگ تیری طرح نورِ غم گزیدہ ہیں
کسی سے ربط کسی سے کلام پیدا کر

غزل

نزولِ درد کو تصویر کر لیں
زمانے بھر کے غم آنکھوں میں بھر لیں

بھنور کی آنکھ سے دیکھیں قمر کو
ستاروں سے نشاناتِ سفر لیں

کہیں آخر مسافت ختم ہو گی
کسی شیریں دہن کو ہمسفر لیں

جلا دیں کشتیاں پتوار توڑیں
ذرا اُس پار دریا کے اُتر لیں

صدائیں دیں گلی کوچوں میں اُس کو
چلو الزام یہ بھی اپنے سر لیں

گلابوں کو سنواریں خونِ دل سے
چمن کی ہر کلی میں رنگ بھر لیں

غزل

دل سنبھلتا رہا سہاروں سے
آس ملتی رہی اشاروں سے

ایک ہی شاخ پر رہے دونوں
پھول اُلجھے مگر نہ خاروں سے

ہم ابھی تک خزاں گزیدہ ہیں
ڈر رہے ہیں نئی بہاروں سے

کوئی اُس پار کی خبر لائے
کوئی پہنچے اُدھر کناروں سے

ایک احسان یہ بھی کر ڈالو
ہنس کے بولو وفا شعاروں سے

غم مقدّر بنا لیا ورنہ
ہم شناسا تھے گُل عذاروں سے

نُور دیکھا ہے قامتِ جاناں
شعلہ نکلا ہوا چناروں سے

غزل

هم لمحوں کی قید میں ہیں تم دُور کہیں مجبور
لہراتی آواز کے سائے ہو گئے چکنا چُور

دامن گیر ہوئی ہے دل کی وہ ہر ایک اَدا
پیار کی کومل کومل نظریں جیسے چاند کا نُور

اُس محفل سے اُٹھ تو آئے بوجھ دل کے ساتھ
تنہائی میں اور بھی تڑپا بے کل دِل رنجُور

تم سے بات کیسے بن تیرے ساتھ رہے گُم سُم
تجھ سے کچھ، ہم کہہ سُن لیتے کب تک یہ مقدور

اپنا تو کچھ خاص نہیں ہے آپ رہیں دِلشاد
نورؔ تو پی کر غم کے ساغر رہتے ہیں مخمور

غزل

غم کا موسم گُلشن گُلشن
دھندلا دھندلا پیار کا آنگن

اب دلدار نظر سے دیکھو
یا گلزار کرو یہ تن من

اب کیا بات کرو گے ہم سے
اب کیا بات بنے کی ساجن

ہم نے جب کچھ کہنا چاہا
بگڑی دیکھی تیری چِتوَن

کون بہانے ڈھونڈ رہا ہے
کون چھُڑانا چاہے دامن

تاریکی کے ناز اُٹھائے
دیکھ سکے نہ چاند کا کنگن

نورؔ سنبھالو ٹوٹ نہ جائے
تیرے اُن کے بیچ کا بندھن

غزل

گرچہ ذہن و عقل و دار پر چھاگئیں
اُن کی پلکیں درد کو سہلا گئیں

نکہتیں اُن کے لبِ گفتار کی
فکر کے اظہار پر لہرا گئیں

ہم وہی مجبور لمحوں کے اسیر
چاند نکلے یا گھٹائیں چھا گئیں

اَٹ گئے ہیں زرد پتوں سے چمن
کیا خزاں دیدہ بہاریں آگئیں

عُمر بھر گردشِ مقدّر میں رہی
نورؔ آنکھوں میں خراشیں آگئیں

غزل

ہم سے تری نظر کے تقاضے عجیب تھے
کچھ رَتجگے ابھی شبِ غم کے نقیب تھے

پہلو سے اُن کے قرب کی خوشبُو سُلگ اُٹھی
وہ دُور تھے مگر رگِ جاں سے قریب تھے

سنسان رات میں دلِ وحشی کے آس پاس
رقصاں تمہارے درد تھے گریاں نصیب تھے

گردِ فسُردگی سے تھا چہرہ اَٹا ہوا
ہم خود ہی شادمانیٔ دل کے رقیب تھے

رُسوا ہوئے تو اُن کو ہماری خبر مِلی
گم نام نُورؔ تھے جو شریف و نجیب تھے

غزل

صبا کی مستی کے جو چلن ہیں
تری اداؤں کے بانکپن ہیں

تلاش کرتے رہے سحر کی
کہ ہم صفیرِ فقیہائے فن ہیں

ہماری ہمت کی داد دیجئو
سخن شناسوں سے ہم سخن ہیں

گھرے ہیں تقدیر کے بھنور میں
بدن پہ فرقت کے پیرہن ہیں

کہیں کہیں ہیں وہ نور چہرے
گلوں کی صورت جو خندہ زن ہیں

غزل

اُن سے میری گفتگو کا اس قدر چرچا ہوا
کوچے کوچے میں ملامت کا گجر پھونکا ہوا

اک مسلسل کرب کی صورت رہی ناسودگی
غم مقدر بن گیا دیوار پر لکھا ہوا

درد کی ہر راہ گزر سے بارہا گزرے مگر
شوقِ بے پروا رہا ہر حال میں نکھرا ہوا

جن سے اُمیدِ نظر تھی وہ تغافل کوش تھے
دِل نوازی کا سلیقہ تک اُنھیں بھولا ہوا

خود بدل جائے گی رُخ یہ چیختی صرصر کبھی
وقت پتھر ہے فضا کے دوش پر رکھا ہوا

بند کر لیں گے ستمگر بھی دریچے ظُلم کے
بارشوں کے ساتھ ہے طوفاں کہیں اٹکا ہوا

ختم ہو جائے گی آخر تیرہ و تاریک رات
نور آئے گی سحر مجھ کو یہی القا ہوا

غزل



وہ پیرہن جو اُن کے بدن پر سجے رہے
اتنے جمیل تھے کہ نظر میں بسے رہے

الفاظ منتشر تھے بیاں ہو سکا نہ درد
فکرِ جواں پہ ضابطے ایسے لگے رہے

لمحوں کی بے بسی شبِ غم کی گرفتگی
بے مہر سائباں سروں پر تنے رہے

بچھڑے تو یاد آئیں وہ پیہم نوازشیں
جذبات احتیاط کے مارے دبے رہے

جب بھی علم وفا کے اُٹھائے نگوں ہوئے
ناموسِ حفظِ جان کے لالے پڑے رہے

خود بے نوا ہوئے ہیں ہجومِ صدا میں ہم
نادیدہ حیرتوں کے فسوں میں پھنسے رہے

دستک تو کیا کہ ہم تو صدا تک نہ دے سکے
اُس کی گلی میں نورؔ گو پہروں کھڑے رہے

غزل



بوالہوسوں کے جب حساب ہوئے
جتنے چہرے تھے بے نقاب ہوئے

تلخیٔ زیست کم ہوئی تاہم
دردِ ہجراں ترے عذاب ہوئے

اس سے پہلے کہ جاں سنبھل پاتی
اُن کی جانب سے اِجتناب ہوئے

آنسوؤں نے جھکا دیا سر کو
اور بھی آپ لاجواب ہوئے

بے خودی کی دلیل کیا دیتے
ہم یوں ہی خانماں خراب ہوئے

کچھ نہ پوچھو وفا شعاروں کی
بندہ پرور بڑے عتاب ہوئے

اُن کی یادوں کا نورؔ کیا کہیے
میٹھے میٹھے سہانے خواب ہوئے

غزل

وہ پیرہن جو اُن کے بدن پر سجے رہے
اتنے جمیل تھے کہ نظر میں بسے رہے

الفاظ منتشر تھے بیاں ہو سکا نہ درد
فکرِ جواں پہ ضابطے ایسے لگے رہے

لمحوں کی بے بسی شبِ غم کی گرفتگی
بے مہر سائباں سروں پر تنے رہے

بچھڑے تو یاد آئیں وہ پیہم نوازشیں
جذبات احتیاط کے مارے دبے رہے

جب بھی علم وفا کے اُٹھائے نگوں ہوئے
ناموسِ حفظِ جاں کے لالے پڑے رہے

خود بے نوا ہوئے ہیں ہجومِ صدا میں ہم
نادیدہ حیرتوں کے فسوں میں پھنسے رہے

دستک تو کیا کہ ہم تو صدا تک نہ دے سکے
اُس کی گلی میں نورؔ گو پہروں کھڑے رہے

غزل

بوالہوسوں کے جب حساب ہوئے
جتنے چہرے تھے بے نقاب ہوئے

تلخیٔ زیست کم ہوئی تاہم
دردِ ہجراں ترے عذاب ہوئے

اس سے پہلے کہ جاں سنبھل پاتی
اُن کی جانب سے اِجتناب ہوئے

آنسوؤں نے جھکا دیا سر کو
اور بھی آپ لاجواب ہوئے

بے خودی کی دلیل کیا دیتے
ہم یوں ہی خانماں خراب ہوئے

کچھ نہ پوچھو وفا شعاروں کی
بندہ پرور بڑے عتاب ہوئے

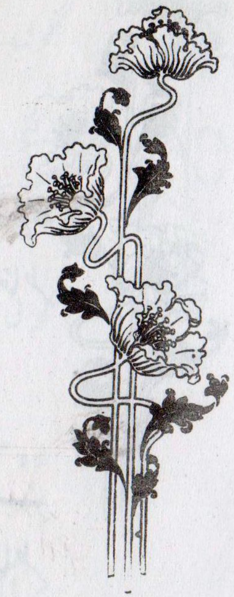
اُن کی یادوں کا نورؔ کیا کہیے
میٹھے میٹھے سہانے خواب ہوئے

غزل



تری تصویر آویزاں ہے دیوارِ دل وجاں پر
خیالِ عکس ہے شاید نگاہوں کے شبستاں پر
ہمیں چلنا ہے لیکن خارزارِ راہِ الفت میں
سفر درماندۂ راہی کی طرح ریگِ بیاباں پر
یہ اپنی تشنہ کامی بے طلب ساغر کی متلاشی
سحر کو جیسے شبنم رقص کرتی ہے گلستاں پر
صدائیں روکتی رہتی ہیں طغیانِ جنوں ورنہ
یہی ناسودگی دل کی پڑے چاکِ گریباں پر
ہمیں نے نور جھیلیں ہیں یہ ٹیسیں درد کی ورنہ
فغاں صورت گراں ہوتیں کسی کے روئے خنداں پر

غزل



حالِ دل اُن کو سُنایا نہ سنانے پائے
خوگرِ غم تھے شبِ غم ہی منانے پائے
تم شناسا ہو مگر درد کی ٹیسیں جاناں
ہم اکیلے ہی بہر طور اُٹھانے پائے
گو ترے نام کے حرفوں پہ فدا ہیں لیکن
اپنے حرفوں میں ترا نام نہ لانے پائے
ہم کہ توقیرِ محبت سے سرافراز ہوئے
تجھ سے مل کر بھی ترے پاس نہ آنے پائے
نور نکلی جو لبوں سے تو شکایت ٹھہری
اپنی آہوں کو نہ فریاد بنانے پائے

غزل

عشق خانہ خراب شراب کی خاطر
دکھ اُٹھائے حباب کی خاطر

دل کا سورج مکھی ترستا ہے
شعلۂ آفتاب کی خاطر

آسمانوں سے کہکشاں اُترے
تیرے بندِ نقاب کی خاطر

حسرتوں کے جلالیے دیپک
حسرتوں کے حساب کی خاطر

آرزوئے سوالِ خوش نظری
روکھے پھیکے جواب کی خاطر

اس زمانے میں لوگ کرتے ہیں
بندگی بھی ثواب کی خاطر

نور جھیلے ہیں، ہجر کے صدمے
شاہدِ گُل مآب کی خاطر

دعائیہ غزل

گلوں سے گردِ غبار اُترے
شجر شجر پہ بہار نکھرے

صبا سے باتیں کریں تمہاری
نگاہ و دل میں قرار اُترے

کوئی صدائے شگفتہ ساماں
کرخت لہجوں کا بار اُترے

وہ موسم درد لوٹ آئے!
رُتوں کا ایسا نکھار اُترے

ہر اک صدا ہو سلامتی کی
سلامِ پروردگار اُترے

یہ نفرتوں کی فصیل ٹوٹے
سبیلِ مہر و پیار اُترے

نظر نظر میں ہوں نور جلوے
حجاب روئے نگار اُترے

غزل

پابوسِ ہوس تھے نہ لب و چشم کے شیدا
ہم سا بھی کوئی ہوگا پریشانِ تمنّا

اِک رشتہ دھڑکتے ہوئے جذبات کا حامل
اِک درد تمنّاؤں کی وسعت کا تقاضا

ہم اور طرح ٹال رہے تھے تری یادیں
دل اور طرح سختیٔ ایام سے تڑپا

وہ حرف کہ ٹپکے ترے مے ریز لبوں پر
خوشبو کی طرح پھیل گئے بزم میں ہر جا

پابند ہوئی جاتی ہے اب فکر و نظر بھی
اے بادِ صبا آئے کوئی مہر کا جھونکا

اُس آنکھ میں چمکی تھیں تجلّی کی لکیریں
نیلم ہو کوئی جیسے تہہ آبِ مصفّا

دامن میں لیے پھول پھرے نورؔ جہاں میں
ہر شخص مگر راہ میں پتھر لیے پایا

غزل

سرابِ دشتِ وفا میں کوئی صدا نہ ملی
حیاتِ دامِ ہوس سے گرہ کشا نہ ملی

سفر نصیبِ جنوں آزما کے دیکھ چکے
سبیلِ درد ترے قرب کے سوا نہ ملی

کہاں سے ملتا سکوتِ صِلۂ پا کوبی
تری تلاش میں نکلے تو انتہا نہ ملی

گماں تھا اپنی سرشتِ نیاز مندی کا
خلوص و مہر سی نعمت بھی بے ریا نہ ملی

عجیب لوگ ملے کارگاہِ ہستی میں
کوئی نگاہ تجسّس سے ماوراء نہ ملی

مزاجِ حُسن سے ناآشنا نہ تھے لیکن
ترے کرم کے سمندر سے نم ہوا نہ ملی

سکونِ درد کی لذّت بھی نورؔ کیا کم ہے
ہزار شکر کہ اس مرض کی دوا نہ ملی

غزل

سینے سے لگا بوجھ اُترنے نہیں پاتا
یہ کیسا مسافر ہے گزرنے نہیں پاتا

تنہا نہیں ملتے ہو، تو یہ سچ جان لو جاناں
یہ پُھول کنول دِل کا نکھرنے نہیں پاتا

کچھ خواب جو تعبیر سے محروم رہے ہیں
اور جی کہ تری دید سے بھرتے نہیں پاتا

ہر سعیٔ جگر دوز کا حاصل غمِ جاناں
یہ کیسا تعلّق کہ سنورنے نہیں پاتا

صد شکر ترا لطف و کرم ڈھال بنا ہے
شیرازۂ جاں اور بکھرنے نہیں پاتا

ہر حرف سے نکھرے ہے ترا حُسنِ نظر تاب
مضمون خیالوں میں اُترنے نہیں پاتا

احسان اٹھائیں کہ اُسے نورؔ دُعا دیں
جو شخص ہمیں یاد بھی کرنے نہیں پاتا

غزل

دل میں اور دل کی لگن میں آپ ہیں
گویا ساری انجمن میں آپ ہیں

جو کہا بس آپ کی خاطر کہا
شعر کے ہر بانکپن میں آپ ہیں

اِک تبسّم کی طلب ہے مدعا
کیوں جبینِ پُر شکن میں آپ ہیں

آپ سے مل کر ہمیں ایسا لگا
ہر رگِ جان و بدن میں آپ ہیں

ہم تھے مجبُورِ نوا کہتے رہے
قصۂ غم کے ضمن میں آپ ہیں

یُوں ملو جیسے گُل و شبنم ملیں
یُوں رہو جیسے چمن میں آپ ہیں

نورؔ لوگوں کے دلوں میں جھانکیے
دوستی کے حُسنِ ظن میں آپ ہیں

غزل

شعلہ بیاں تھے مگر اپنا ہی دِل جلا
بے مہر بندشوں کا عجب سِلسلہ چلا
جھک کر زمیں سے آ لگا ہے درد کا شجر
صحنِ چمن میں جشنِ بہاراں رچا ہُوا
دیکھا نہ آنکھ بھر کے رُخِ دلرُبائے شہر
کیسے کہیں کہ کیسے لگا کس طرح کا تھا
گردِ مسافرت سے شبِ غم اَٹی رہی
دِل بے نیازِ گردشِ دوراں نہ ہو سکا
تھا درد اِک وسیلۂ صبر و قرارِ دل
تیری عنایتوں سے مگر حد سے بڑھ گیا
ہم بر سبیلِ تذکرہ لیتے رہے وہ نام
وہ دلرُبا سا شخص کہیں کھو کے رہ گیا
آوارگی عِلاجِ غمِ دل نہ کر سکی
ہم نے تو نورؔ شامِ اَلم تک سفر کیا

غزل

تیر نظروں سے برستے ہی رہے
حادثے دِل پر گزرتے ہی رہے
چاند برساتا رہا کرنوں کا نورؔ
درد کے عنواں نکھرتے ہی رہے
آپ سے جب بھی ملے تو اجنبی
ہم ارادوں کو بدلتے ہی رہے
خود فراموشی اِدھر اور اُس طرف
آپ کے گیسو سنورتے ہی رہے
کس طرح اُن سے کہیں گے حالِ دل
وسوسے دل میں اُترتے ہی رہے
نورؔ اِس حسنِ نظر کے باوجود
ہم خیالوں میں بکھرتے ہی رہے
نورؔ ہم سے سوختہ ساماں بھی
محفلیں گُل رنگ کرتے ہی رہے

غزل



درد افزوں تر ہوا پھر نالۂ شبگیر سے
بے بسی بڑھتی گئی ہر حلقۂ زنجیر سے

تم شناسا ہی نہیں تھے فکر کے آزار سے
خوش نظر ہم تھے فسونِ عشق کی تفسیر سے

آبروئے غم بنی حسرت تمہاری دید کی
حیرتیں کھلتی کہاں تک ناخنِ تدبیر سے

ہم بزعمِ خویش زیرِ بےخودی کرتے رہے
پرورشِ خوابوں کی پیہم بوسۂ تعبیر سے

دھوپ چہروں کا محافظ ابرپاروں کا ہجوم
دُھوپ سے جُھلسے گئے کچھ لوگ کم تقدیر سے

جس چمن سے بھی صبا گزری وہی بے رنگ و بُو
گُل فسُردہ رنگ سے خوشبُو تہی تاثیر سے

حرفِ آخر ہو گئے باسی گلابوں کی طرح
تھی کبھی عنبر فشانی نورؔ کی تحریر سے

غزل



سحر سے بدگماں ہونے لگے ہیں
اسیرِ شبستاں ہونے لگے ہیں

خموشی میں بھی ہیں محوِ تکلم
گلوں کے ہم زباں ہونے لگے ہیں

کہاں ہے منزلِ راہِ تمنّا
پریشاں کارواں ہونے لگے ہیں

صلہ کچھ تو ملے جنسِ وفا کا!
کہ غم تیرے عیاں ہونے لگے ہیں

دوا کچھ کیجیے دردِ جنوں کی
کہ مجبورِ فغاں ہونے لگے ہیں

الٰہی خیر ہو تیرہ شبی میں
ستارے نیم جاں ہونے لگے ہیں

لگی ہے نورؔ ایسی چوٹ دل پر
کہ ہر غم کی زباں ہونے لگے ہیں

غزل

ترکیبِ حرف وصَوت گر زیرِ ریا نہ ہو
ممکن ہے وہ سوالِ عطا پر خفا نہ ہو

ہم تو قدم قدم ترے شرفِ جلَو میں تھے
یہ اور بات دیکھنے کا حوصلہ نہ ہو

ناسودگیٔ فکر میں یہ رفعتِ سخُن
پنہاں کہیں خیال میں حرفِ دُعا نہ ہو

گو مطمئن تھے پھر بھی یہ دھڑکا لگا رہا!
دل بے وسیلۂ غمِ جاناں لُٹا نہ ہو

ہجراں نصیب ہیں مگر قائم ہے بانکپن
ملنے کبھی نہ آئیں گر تیری رضا نہ ہو

اِحسان دیکھیے کہ اُنھیں یہ گمُان ہے
کاری ہے زخمِ دل کہیں اُن کا لگا نہ ہو

ممکن نہیں ہے نوؔر کہ تحت الشعوُر میں
جس کو چھُپا رکھا ہے ترا آشنا نہ ہو

غزل

درد صحیفے پڑھتے رہنا
اندر اندر جلتے رہنا

یارو یہ ہے رِیت وفا کی
صحرا صحرا چلتے رہنا

مُرلی میں سنگیت غموں کے
بھر کر بھیس بدلتے رہنا

ہر آہٹ پر رُک جانا
راہ گزر کو تکتے رہنا

اپنے آپ میں گمُ سمُ ہو کر
سوچوں میں رنگ بھرتے رہنا

سُن کر دِل آزار کی باتیں
ساری رات تڑپتے رہنا

نورؔ لیے اُمید سحُر کی
تاریکی سے لڑتے رہنا

غزل



ہم سے ہی نہیں اور بھی لوگوں سے خفا ہے
ناساز طبیعت ہے کہ یہ اُس کی اَدا ہے

بے مہریٔ یاراں کا گِلہ کر نہیں سکتے
ہر دِل میں نہاں جذبۂ توقیرِ اَنا ہے

طاری ہے عجب طور سے کیفیّتِ ہجراں
جو شخص میرے ساتھ ہے وہ مجھ سے جُدا ہے

سب کرتے رہے آبلہ پائی کی شکایت
کانٹوں پہ چلا کوئی کہ پھولوں پہ چلا ہے

یہ گردشِ تقدیر ہے یا کاوشِ ناکام
بچھڑا ہی نہیں ہم سے وہ بیگانہ ہوا ہے

اب دل بھی ہیں سُوکھے ہوئے دریاؤں کی مانند
اِک ڈھیر سا ریگِ غمِ دُنیا کا لگا ہے

یہ وقتِ شنیدن ہے سنبھالو دل وجاں کو
کیا جانیئے کیا نورؔ مقدّر میں لکھا ہے

غزل



بہار آئی کہ پت جھڑ کے ماہ و سال آئے
نکھر نکھر کے تری یاد کے خیال آئے

وہ بے خبر تھا جسے ہم نے معتبر جانا
لرزتے بند لبوں پر کئی سوال آئے

بصد خلوص دعاؤں میں جن کا ذکر کیا
بس اِک سلامِ تبسّم سے ہم کو ٹال آئے

اُسی گلی میں اُسی کوچۂ ملامت میں
دل و نگاہ میں رقصاں وہ خدّوخال آئے

جہاں جنوں نے پکارا وہیں جبیں رکھ دی
عجیب ہم تھے خِرد کو کہیں سنبھال آئے

شبِ فراق نہ خوابوں کا سِلسلہ ٹوٹے
جو لوگ آئے تصوّر میں بے مثال آئے

نہ مِل سکے جو اُنھیں کی تلاش میں گزری
حیات نورؔ عجب مخمصے میں ڈال آئے

جھیل اَور صُبح کی دُھوپ



نرم ہوا کی آویزش سے
تھل تھل کرتا جھیل کا پانی
نرم ہوا کے جھونکوں سے خوش
اور ملائم دھوپ سنہری
اپنا عکس لیے ہاتھوں میں
کھڑی کنارے سوچ رہی ہے
اور اِسے چمکیلا کر دوں
یا نیلے کو پیلا کر دوں
نرم ہوا کے جھونکوں سے خوش
تھل تھل کرتا جھیل کا پانی
دُھوپ کو اپنے پاس بُلائے
اور سنہری دھوپ کی کرنیں
چومے اُن کو گلے لگائے

کرنوں کے رنگ نکھرے نکھرے
ساری جھیل پہ جب چھا جائیں
نیلی جھیل کا تھل تھل کرتا
چمکیلا اور نیلا پانی
تھل تھل کر کے رنگ بدلائے
اور سُنہرا ہوتا جائے
ہم کو اُن کی یاد دلائے
جن چہروں کی دُھوپ سی رنگت
جن چہروں پر نیلی جھیلیں